میری ماں چھین لی جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا ۔ مجھے ماں اور پھول میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ۔ آہ ! مجھ سے میرا پھول چھین لیا گیا ۔ مگر میں کس سے کہوں ۔ نطق پہ تالے ہیں ۔ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ۔ وہ بے نیاز ہے ۔ وہ سب سے پوچھ سکتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا ۔ صبح دَم پھول نے آسمان کی طرف منہ کر کے فریاد کی : " مجھ سے میری شبنم چھین لی گئی ہے ۔" اُسے کیا خبر تھی کہ آسمان اپنے ستارے بھی کھو چکا ہے ——— اب جبکہ میری والدہ دنیا میں نہیں رہی ، اُس کی زندگی میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے کہ میری ماں کتنی عظیم تھی ۔ وہ کتنی محنت کرتی رہی جس نے میرے لئے اپنی راتوں کی نیند حرام کی ۔ شب و روز کی محنتِ شاقہ سے میری تعلیم و تربیت کی ، ہر مشکل میں میرا حوصلہ بڑھایا ——— ایک دفعہ مَیں چھوٹا سا تھا ، مرحوم باپ کی یاد میں رو رہا تھا ۔ کہنے لگیں ، " بیٹا ! تمہارا صاحب ایک ہی صاحب ہے اور وہ بہتر کارساز ہے ۔ دُکھ میں اُسی کو پکارو ۔ گھبرانا نہیں ——— راشن وردی سرکاری ہے جس نے پیدا کیا ہے ، اُس نے دینی ہی دینی ہے ۔ صرف والد کا سایہ نہیں رہا ۔ اور جس کا ناخدا نہ ہو اُس کا خُدا ہوتا ہے ۔ دنیا تو جتنی لکھی ہے ، ملنی ہی ملنی ہے ۔ دین کے لئے محنت اور فکر کیا کرو ۔

اور پھر آخر تک وہ ہمت نہ ہاری ، سات سال مسلسل موت کا مقابلہ کرتی رہی ۔ بڑے حوصلے اور بڑی استقامت کے ساتھ ——— اور انجام کار میری ماں پر بھی موت کا ضابطہ پُورا ہوا کہ جس ضابطے سے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر بھی نہ بچ سکے ۔ وہ تو بہت اچھی تھی ۔ اچھی ہو گئی کہ ماں ہمیشہ اچھی ہوتی ہے کسی کی بھی ہو ۔ مگر جب مجھے اپنی کمی اور خلا کا احساس ہوتا ہے ، تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ جاتا ہے کہ میری ایک نہایت ہی قیمتی چیز گم ہو گئی ہے ۔

ماں وہ جس کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے
ماں پیکرِ کرم ہے ۔ محبّت سرشت ہے
سطحِ زمیں پہ گلشنِ رضواں کہیں جسے

خود دُکھ اٹھا کے راحت و آرام دے ہمیں
تسکینِ قلب ، ہر سحر و شام دے ہمیں
وہ ذات ہے کہ معدنِ احساں کہیں جسے

خورشید ماں کا رتبۂ عالی بتاؤں کیا
دُنیا کو ماں کی شانِ جمالی بتاؤں کیا
اِک نعمتِ عظیم ہے وہ ماں کہیں جسے

آخری قسط

مولانا محمد عبدالحق چوہان
گلشن معاویہ۔ رحیم یار خاں

تلخ و شیریں

عام صحابہ اور خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریر کردہ اس مسموم مضمون کے آخر میں مودودی صاحب یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے متعلق رقمطراز ہیں :۔

" تو جب اس میں تغیر کیا گیا کہ حکومت کو موروثی بنا دیا جائے تو حضرت حسینؓ نے ولی عہدی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ تو یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے جو کہا تھا وہ یہ تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو اور پھر اس سے فیصلہ کرنے دو خواہ میرے قتل ہی کا فیصلہ کر دے۔ غرض حضرت حسینؓ نے یہ نمونہ پیش کیا کہ اگر حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ غلط راہ پر جا رہی ہو تو اس کے خلاف جدوجہد درست ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے تو بیعت کر لی تھی۔ حضرت حسینؓ نے کیوں نہ کی۔ وہ ان کو مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اُٹھنا ہما شما کا کام نہیں۔ صرف وہ اُٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہو کہ وہ اُٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہ کرامؓ کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیئے۔"

انہی جملات پر مودودی نے اس مضمون کو ختم کیا ہے۔ مضمون کے اس نازک ترین حصہ پر اظہار تبصرہ کرنے سے قبل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات تمام فضائل و مناقب کی مرکز و مرجع ہے۔ آپ کی فضیلت کے متعلق تمام کتب احادیث اور خصوصاً صحاح ستہ میں کئی احادیث منقول و مروی ہیں۔ نبوت کے بعد سب سے بڑی فضیلت، صحابیت کے درجۂ رفیعہ پر آپ فائز ہیں۔ اور نسبی شرافت کے اعتبار سے آپ نواسۂ رسولؐ ہیں۔ اور آپ کے لئے جنت کی بشارت بھی ہے۔ اور یزید ان تمام فضائل و خصوصیات سے تہی دامن ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس

کوئی نسبت دی جاسکتی ہے۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

بنات طاہرات کی نسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے ساتھ امتہ کو جو محبت و عقیدت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ مودودی اسی عقیدت و محبت کی شراب شیریں میں سبائیت کے زہریلے جراثیم کی آمیزش کرنا چاہتا ہے۔ محبت کے انہی جذبات کے پس پردہ اس کی تنقید کا پہلا ہدف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ پہلے وہ یہ یاد کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو "ولی عہد" مقرر کرنے کا اقدام غلط تھا۔ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام اسی عمل کی تغلیط کیلئے تھا۔ یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ یزید کی ولی عہدی کا زمانہ تو حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں تھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تو وہ دور ولی عہدی سے گزر کر خلافت پر متمکن ہو چکا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ولی عہدی ختم کرنے کے لئے کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے؟

باقی رہا یہ امر کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد کیوں مقرر کیا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جمل اور صفین کے واقعات تھے ——— اور انہیں یہ خطرہ درپیش تھا کہ اگر امتہ کو ایک مرکز پر مجتمع کئے بغیر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو عین ممکن ہے کہ ملت اسلامیہ پھر خانہ جنگی اور انتشار کا شکار ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کو اختلاف و انتشار سے محفوظ رکھنے کی غرض سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا اور اسی جذبۂ خیر خواہی کے تحت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات مستعار کے آخری وقت میں ملت اسلامیہ کی قیادت و امارت کو صرف چھ اشخاص میں محصور کر دیا۔ اور پھر ان حضرات نے باہمی مشورہ سے اس فریضہ کی سرانجام دہی سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اور یزید کی ولی عہدی کی تجویز درحقیقت محفل "دہاۃ العرب" کے رکن سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ تھی اور حضرت معاویہؓ نے ملت اسلامیہ کی بہی خواہی کے جذبہ کے تحت اس تجویز کو قبول کیا۔ اور مملکتہ اسلامیہ کے دانش ور حضرات کے مشورہ کے بعد ہی اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ درست ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس تجویز سے اختلافات کیا۔ لیکن صحابہ کی اکثریت نے اس تجویز سے اتفاق کیا اظہار کیا۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ملت اسلامیہ کی ہیئتہ اجتماعیہ کا تحفظ بہت ہی ضروری تھا۔ اور اس وقت یہی عمل صورت اجتماعیہ کے تحفظ کے لئے ان کے نزدیک کارگر اور موثر تھا۔ چنانچہ حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت حضرت بشیرؓ کے پاس گیا جو صحابہ

بیہ سے تھے انہوں نے فرمایا:

يقولون انما يزيد ليس بخير امة محمد صلى الله عليه وسلم وانا اقول ذالك ولكن لأن يجمع الله امة محمد احب الى من ان تفرق.

لوگ کہتے ہیں کہ یزید اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بہتر نہیں ہے۔ اور میں بھی کہتا ہوں لیکن اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی صفحہ ۲۶۷ ج ۲ ۔ بحوالہ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق صفحہ ۹۶)

بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چاہیئے تھا کہ ولایت عہد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو مقرر نہ کرتے بلکہ اپنے قرابت داروں کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو متعین کرتے۔ اگر تعمق نظر سے اس وقت کے حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ کیونکہ ولایت عہد کے حل سے ملّت اسلامیہ کی صورت اجتماعیہ کا تحفظ مقصود تھا اور اس وقت سیاسی قیادت و امارت کے اعتبار سے بہ حیثیت قبیلہ بنو امیہ کو حاصل تھی اور کسی عہدہ پر رشتہ دار کو فائز کرنا شرعی اعتبار سے اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ ہی ممانعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ دار سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی تولیت پر مقرر کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی سبائیوں نے ایک اعتراض یہی کیا تھا کہ انہوں نے اہم عہدہ جات پر اپنے قریبی رشتہ داروں کو متعین کر دیا ہے۔ علماء نے اس اعتراض کے تذکرہ کے بعد اس طرح اس کا جواب دیا ہے:۔

منها تولية اقاربه وليس فى هذا ادنى عيب لان رسول الله صلى الله عليه وسلم ولّى عليًا وهو ابن عمه واذا كانت تولية القريب عيبًا تنهى عنها عليه السلام ولم يفعلها ومع ذالك فالاسلام سوّى بين الناس لا قريب عند

ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے قریبی رشتہ داروں کو عہدہ جات پر مقرر کیا ہے حالانکہ اس میں کوئی بھی عیب نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو والی متعین کیا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور اگر قریبی رشتہ داروں کو عہدوں پر متعین کرنا عیب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے اور خود ہی اس طرح نہ کرتے، اور

ولا بعيد فالامر موكول لرائي الامام الذي القيت اليه مقاليد الامة

(انمام الوفا صد ۲۰۶)

ساتھ ہی یہ بات ہے کہ اسلام دین مساوات ہے اس میں امام کا نہ کوئی قریب ہے نہ بعید بلکہ سب لوگ اس کیلئے برابر ہیں اور اس تولیہ کی تفویض میں امام کی رائے کا اعتبار ہے جس کے پاس امت کے تمام امور سپرد کردیئے گئے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو اپنے بعد خلافت بلافصل کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خداوند قدوس سے دعا مانگی۔ اگر قریبی رشتہ دار کو کسی عہدہ پر متعین کرنا شرعًا ممنوع ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز یہ دعا نہ مانگتے۔ کیونکہ پیغمبر جس طرح معصیت کے ارتکاب سے معصوم ہوتا ہے اسی طرح معصیت کی آرزو سے بھی معصوم ہوتا ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلّم انّه قال لما عرج بي سئلت ربّي ان يجعل الخليفة من بعدي علي بن ابي طالب فقالت الملائكة يا محمّد انّ الله يفعل ما يشاء الخليفة من بعدك ابوبكر۔

ازالۃ الخفاء صد ۳۰ ج ا غنیۃ الطالبین صد ۷۶ ج ا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس وقت مجھے معراج کرایا گیا تو میں نے خداوند قدوس سے سوال کیا کہ میرے بعد علی بن ابی طالب کو خلیفہ بلافصل بنائے۔ فرشتوں نے مجھے کہا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں، اسی طرح کرتے ہیں۔ تیرے بعد خلیفہ بلا فصل ابوبکر رضی ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید خلیفہ متعین ہوگیا اور شہروں میں اس کی خلافت پر بیعت ہوئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت سے تخلف اختیار کیا اور آپ مدینہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ کوفہ کے سبائیوں کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو پھر وہ امت کے درمیان تفرقی و انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنی سازشی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ اور اپنی مطلب برآری کے لئے انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذات کا انتخاب کیا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سب سے پہلے سلیمان بن صرد

مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، اور حبیب بن مظاہر نے عبداللہ بن سبع ہمدانی کے ذریعے اپنے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کئے۔ اور ۱۰ رمضان کو یہ خطوط آپ کو موصول ہوئے۔ پھر تسلسل کے ساتھ سبائیوں نے آپ کے پاس خطوط روانہ کرنا شروع کر دیئے۔ ان خطوط کی وصولی کے بعد تیسرے دن سبائیوں کی طرف سے قیس بن مسہر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ اور عمارہ سلولی ۵۳ خطوط لے کر آگئے۔ اور پھر ان کے تین دن بعد ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ آپ کے پاس آ گئے۔ کوفیوں کی طرف سے اس کثرت سے آپ کے پاس خطوط وارد ہوئے کہ ان خطوط کا انبار لگ گیا۔ ان لوگوں نے خطوط کے ذریعہ اور زبانی طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ عراق اموی خلافت کے خلاف پورے طور پر منظم ہے۔ اور آپ جس وقت تشریف لائیں گے تو ہم والی کوفہ نعمان بن بشیرؓ کو نکال دیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی بات پر یقین آگیا اور آپ نے یہ سمجھا کہ عراق ابھی تک یزید کی بیعت سے دست کش ہے اور یزید کو تسلّط حاصل نہیں ہوا۔ اور اس کی خلافت تا ہنوز منعقد نہیں ہوئی۔ اور آپ نے مزید اطمینان حاصل کرنے کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ حالات کا جائزہ لے کر آپ کو صحیح صورتِ حال سے مطلع کریں۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنیوالوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت مسلم بن عقیل نے آپ کو ان حالات سے آگاہ کیا۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کوفہ جانے کو تیار ہوگئے اور یزید کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے کوفہ، بصرہ کے عامل عبداللہ بن زیاد کی تحویل میں دے دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بہی خواہ حضرات مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کو جب آپ کے کوفہ جانے کے ارادہ کی خبر ملی تو انہوں نے آپ کو اس اقدام سے روکا۔ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو اس قدر کوشش کی کہ والی مکہ عمرو بن سعید سے آپ کے نام ایک خط لکھوایا اور وہ خط لے کر عمرو بن سعید کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہمراہ آپ کے پاس گئے اور آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ تمام تر مساعی تقدیرِ ایزدی کے باعث بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ جب آپ میدان کربلا میں پہنچے اور وہاں جو صورتِ حال آپ کے سامنے آئی تو آپ کو یقین ہوگیا کہ اہلِ کوفہ نے غدّاری کی ہے اور مملکتِ اسلامیہ پر یزید کا تسلّط مکمل ہو چکا ہے تو آپ نے عمر بن سعد کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔ اور ان میں ایک یہ تھی کہ

"مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

مودودی حضرت حسینؓ کے اس قول کا انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کہا تھا کہ "مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا" تو یہ درست نہیں ہے"۔

معلوم نہیں کہ مودودی کا یہ انکار جہل پر مبنی ہے یا کہ تجاہل عارفانہ ہے۔ کیونکہ ان کے اپنے اکابر کی کتب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز بصراحت موجود ہے اور مودودی کا یہ انکار بقول کسے:

من چہ سرایم وطنبور من چہ سراید ــــ کا مصداق ہے۔

هذا اعطاني ان يرجع الى المكان الذي اتى منه او ان يسير الى ثغر من الثغور فيكون رجلاً من المسلمين له ما لهم وعليه ما عليهم او ان يأتي الى امير المؤمنين يزيد فيضع يده في يده فيرى فيما بينه وبينه رائه۔

(اعلام الوری باعلام الہدی ص ۲۳۶)
(تالیف: ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی)

عمر و بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کی طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تجاویز کے ذکر میں تحریر کیا کہ یا تو یہ کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس تشریف لے جائیں یا یہ کہ وہ مملکت کی سرحدات میں کسی سرحد کی طرف چلے جائیں اور آپ ان لوگوں میں سے ایک ہوں گے اور آپ ان لوگوں کے نفع ونقصان میں شریک ہوں گے یا یہ کہ وہ امیر المومنین یزید کی طرف تشریف لے جائیں اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں وہ اپنے اور حضرت حسینؓ کے درمیان جو فیصلہ چاہے کرے۔

تلخیص الشافی میں ہے:

وقد روی انه علیه السلام قال لعمر بن سعد۔

اختاروا مني اما الرجوع الى المكان الذي اقبلت منه او ان اضع يدي على يد يزيد فهو ابن عمي يرى فيّ رأيه۔ واما ان تسيروا بي الى ثغر من ثغور المسلمين فاكون

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا کہ میری ان تجاویز میں سے کسی کو اختیار کرلو۔ یا اس جگہ کی طرف واپسی جہاں سے میں آیا ہوں یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں وہ میرا چچازاد بھائی ہے۔ میرے متعلق خود ہی فیصلہ کرے یا یہ کہ سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف

رجلا من اهل لہ مالہ وعلی ما علیہ
(تلخیص الشافی ص ۱۸۶ ج ۴)

بحار الانوار کے فارسی ترجمہ میں ہے:

این حسین کہ بمن می گوید۔ حاضر است برگردد بہ آں مکانی کہ از آنجا آمدہ است۔ یا بسوئے یکی از سرحد ہا بازگردد و نظیر یک مردی از مسلماناں باشد آنچہ برلہ آناں باشد برلہ وی ہم باشد و آنچہ برعلیہ ایشاں باشد برعلیہ او نیز باشد۔

یا اینکہ نزد امیر المؤمنین یزید بیاید و دست خود را درمیان دست او بگذارد۔

و یزید ہر نظریہ اے کہ دارد بین خود و امام حسین رض بدہد۔ (بحار الانوار مترجم
تالیف: ملا باقر مجلسی ص ۴۴۴۔ ج ۱۰)

اور الارشاد میں ہے:

ھذا حسین قد اعطانی عھدًا ان یرجع الی المکان الذی ھو منہ اتی او یسیر الی ثغر من الثغور فیکون رجلا من المسلمین لہ ما لھم وعلیہ ما علیھم او یأتی امیر المؤمنین یزید فیضع یدہ فی یدہ فیری فیما بینہ وبینہ۔

مجھے لے چلو۔ میں ان میں سے ایک ہوں گا اور ان کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہوں گا۔

یہ حضرت حسین رض ہیں، مجھے فرماتے ہیں کہ وہ اس بات پر تیار ہیں کہ جہاں سے آئے ہیں اسی طرف واپس چلے جائیں، یا سرحدات میں سے کسی ایک سرحد کی طرف چلے جائیں اور مسلمانوں میں سے ایک ہوں گے اور ان کے نفع و نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے۔

یا یہ کہ امیر المؤمنین یزید کے پاس چلے جائیں اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ اور یزید خود ہی اپنے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان فیصلہ کرے۔

یہ حضرت حسین رض ہیں۔ میرے ساتھ انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ یا تو وہ اس جگہ واپس چلے جائیں جہاں سے وہ آئے ہیں یا سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف چلے جائیں، اور عام مسلمانوں میں سے ایک ہوں گے، اور ان کے نفع و نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے یا یہ کہ امیر المؤمنین یزید کے پاس جائیں اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں اور خود ہی اپنے اور ان کے

(الارشاد صہ ۲۳۴ للشیخ المفید ره) درمیان فیصلہ کرے۔

تاریخ طبری مترجم ترجمہ سید حیدر علی طباطبائی میں ہے۔

"تین باتوں میں سے ایک بات میرے لئے اختیار کرو۔ یا تو یہ کہ جہاں سے میں آیا ہوں وہیں چلا جاؤں۔ یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں، وہ اپنے اور میرے درمیان جو فیصلہ چاہے کرے۔ یا یہ کرو کہ مملکت اسلام کی سرحدوں میں سے کسی سرحد پر مجھے روانہ کردو۔ میں ان لوگوں کا ایک شخص بن کر رہوں۔ میرا نفع ونقصان ان کے نفع ونقصان کے ضمن میں ہوگا۔"

(تاریخ طبری حصہ چہارم مترجم۔ ترجمہ: سید حیدر علی طباطبائی۔ عنوان: حضرت حسینؓ کی تین شرائط)

تاریخ اور روافض کی ان معتبر کتب میں اس روایت کے موجود ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرت حسینؓ کے اس فرمان کا انکار کرے تو اس کا انکار ایک بدیہی حقیقت کے انکار کے مترادف ہوگا۔ جس کو علمائے علم کلام کی اصطلاح میں سفسطہ کہتے ہیں۔ اور اگر بالفرض مودودی کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں تو پھر بھی اس کا مفروضہ نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" میں اس واقعہ کو اس طرح تحریر کیا ہے:

"پھر حضرت حسینؓ نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو، یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔" (خلافت وملوکیت صہ ۱۸۰)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ —— مجھے واپس جانے دو —— تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے مؤقف سے رجوع فرمالیا ہو۔ کیونکہ آپ کی استقامت اور تصلب سے یہ بات بعید اور خارج از امکان ہے کہ آپ جس مؤقف کی بنا پر یہاں تشریف لائے تھے پھر اسی پر قائم ہوتے ہوئے واپس تشریف لے جائیں اور پھر اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا —— کہ مجھے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو —— کیونکہ سرحدات میں وہی لوگ مشغول جہاد تھے جنہوں نے یزید کی امارت کو تسلیم کر لیا تھا مودودی صاحب اسی کشمکش کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے تو بیعت کر لی تھی حضرت حسینؓ نے کیوں نہ کی۔ وہ ان کو مطعون کرتے ہیں، حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھنا ہر ہما شما کا کام نہیں، صرف وہ اٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہو کہ وہ اٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔"

اس تحریر میں مودودی پوری آب و تاب کے ساتھ سبائیت کے لباس میں جلوہ گر نظر آتا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات کا سہارا لے کر صحابہ کرام کی سخت الفاظ میں توہین و تنقیص کی ہے۔ انداز تحریر اور سیاق و سباق کے لحاظ سے لفظ شاہما نقوخیرے کے مترادف ہے۔ یعنی مودودی کے نظریہ کے مطابق حجاز، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں رہنے والے بہت سے صحابہ جنہوں نے یزید کی امارت کو تسلیم کر کے بیعت کر لی۔ وہ نقوخیرے کے زمرہ میں شامل ہیں۔ شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ حبرالامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی نقوخیرے میں شامل ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس طرح کے توہین آمیز الفاظ سے تعبیر کرنا مودودی کے سبائیت زدہ ذہن کی اختراع ہے، ورنہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کی یہ حیثیت ہے:

کانوا مصابیح الھدی واوعیۃ العلم حضروا من الکتاب تنزیلہ ومن الدین جدیدہ وعرفوا من الاسلام مالم یعرفہ غیرھم واخذوا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاویل القرآن۔	یہ حضرات ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے۔ قرآن ان کے سامنے اترا اور نیا دین ان کے سامنے آیا۔ یہ اسلام کے ان علوم و معارف سے آگاہ تھے، جنہیں کوئی دوسرا نہیں جان سکتا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی حقیقت کو سمجھا۔
البدایہ والنہایہ ص۱۳۳ ج ۸	

اور مضمون مودودی کے آخر میں ہے:

—— جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہ کرام کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیئے نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا چاہیئے۔

اہل سنت والجماعت میں سے کوئی شخص بھی ایسا سنگدل نہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام پر معاذ اللہ مطعون کرتا ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا فرد ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق سوء ظن کا ارتکاب کرتا ہو، بلکہ یہ سبائیوں کا ہی مذہب و عقیدہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطعون کرتے ہیں جیسا کہ مودودی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یزید کے دور خلافت میں اس طرز عمل سے جو مبدا اختلاف مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اُس وقت موجود اکثر صحابہؓ کی یہ رائے